

غروب آفتاب

05-19-2017



آزل

فہرست

معاشرہ ثقافت

۱. اردو ادب کا ایک نام۔ ابن انشاء.....
۲. اکرم سہیل اور عصری تاریخ.....
۳. چینی کے بغیر چینی چائے کا لطف.....
۵. شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال.....
۶. فن کی دنیا میں وحید مراد کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا.....
۹. کاروباری راز.....

اردو ادب کا ایک نام۔ ابن انشاء

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

اردو ادب کے مایہ ناز شاعر، ادیب ابن انشاء کا اصلی نام شیر محمد خان تھا لیکن ابن انشاء کے نام سے مشہور ہوئے۔ 15 جون 1927ء کو جالندھر کے ایک نوابی گاؤں کے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی خان تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے سکول میں، مڈل نزدیکی گاؤں کے سکول سے اور 1941ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لدھیانہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، میٹرک میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ابن انشاء کو صحافت، علم و ادب سے دلچسپی تھی، اس وقت "نوائے وقت" ہفت روزہ تھا، حمید نظامی صاحب سے خط و کتابت تھی، انہوں نے ایک خط میں حمید نظامی صاحب (مرحوم) سے لاہور آکر "نوائے وقت" میں ملازمت اختیار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حمید نظامی کے مشورے پر ابن انشاء لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج لاہور میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لے لیا، ان کی رہائش کا بندوبست جناب حمید نظامی نے کیا مگر تین مہینے کے مختصر قیام کے بعد ابن انشاء اپنی طبیعت کے مطابق اور کچھ دیگر وجوہات کے سبب تعلیم اوصوری چھوڑ کر لدھیانہ چلے گئے۔

وہاں بھی بھنورے نے کہاں رہنا تھا، لدھیانہ سے انبالہ چلے گئے، وہاں ملٹری اکیڈمی کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن جلد ہی یہ ملازمت بھی چھوڑ دی اور دلی چلے گئے۔ اس دوران میں آپ نے ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد پرائیویٹ طور پر پی اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ ابن انشاء ذہین تھے، تھوڑے عرصے بعد انہیں اسمبلی ہاؤس میں مترجم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ بعد ازاں آل انڈیا ریڈیو کے نیوز سیکشن میں خبروں کے انگریزی بلٹن کے اردو ترجمے پر مامور ہوئے اور قیام پاکستان تک وہ آل انڈیا ریڈیو ہی سے وابستہ رہے۔ آپ کی پہلی شادی 1941ء میں لدھیانہ میں عزیزہ بی بی سے ہوئی، عزیزہ بی بی سے ابن انشاء کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی، بعد ازاں گھریلو ناچاکی کے سبب دونوں کی طبیعت میں فرق کے سبب عزیزہ بی بی اور ابن انشاء میں علیحدگی ہو گئی، مگر طلاق نہ ہوئی، لہذا عزیزہ بی بی نے باقی تمام عمر ان کی بیوی کی حیثیت ہی سے زندگی بسر کی لیکن ان سے الگ رہیں۔

جب پاکستان بنا تو ابن انشاء اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور لاہور میں رہائش اختیار کر لی، انڈیا میں ریڈیو سے منسلک رہے تھے، اس لیے بھاگ دوڑ کر کے 1949ء میں وہ ریڈیو پاکستان کراچی کے نیوز سیکشن سے بطور مترجم منسلک ہوئے۔ کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہوا، اپنی اوصوری تعلیم مکمل کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے اردو کالج کراچی میں 1951ء میں ایم اے اردو کی شام کی جماعتوں میں داخلہ لے لیا اور 1953ء میں ایم اے کا امتحان کیا پہلی پوزیشن حاصل کی۔ ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کیلئے تحقیقی کام کرنے کا سوچا بھاگ دوڑ کر کے مارچ 1954ء میں بعنوان (اردو نظام کا تاریخی و تنقیدی جائزہ (آغاز تا حال) کا مقالہ ملا مگر وہ اپنے اس مقالے کو مکمل نہ کر سکے کچھ عرصہ کراچی میں گزارنے کے بعد لاہور تشریف لے آئے۔ دور جدید کے مسائل سے بھی ابن انشاء آگاہ تھے، اس کے لیے کالم نگاری کا راستہ اختیار کیا۔ وہ مختلف اخباروں کے لیے بڑی پابندی سے کالم لکھا کرتے تھے اور اپنی بے باک رائے پیش کیا کرتے تھے۔ کالم نگاری آخری عمر تک جاری رہی۔

ابن انشاء نے 1960ء میں روزنامہ "مرود" کراچی میں درویش دمشقی کے نام سے کالم لکھنا شروع کیا۔ 1965ء میں روزنامہ "انجام" کراچی اور 1966ء میں روزنامہ جنگ سے وابستہ گی اختیار کی جو ان کی وفات تک جاری رہی۔ دو شعری مجموعے، چاند نگر اور اس بستی کے کوچے میں 1976ء شائع ہو چکے ہیں۔ 1960ء میں چینی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ (چینی نظمیں) شائع ہوا۔ کیا جھگڑا سود خسارے کا

یہ کالج نہیں بنجائے کا
تم ایک مجھے بہتری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

ابن انشاء 1962ء میں نیشنل بک کونسل کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ ٹیویو بک ڈسٹریبیوٹ پروگرام کے وائس چیرمین اور اسٹین کو پہلی کیشن پروگرام ٹیویو کی مرکزی مجلس ادارت کے رکن بھی مقرر ہوئے۔ 1969ء میں آپ نے دوسری شادی کی دوسری بیگم کا نام شکلیہ بیگم تھا۔ دوسری بیوی سے آپ کے دو بیٹے سعدی اور رومی پیدا ہوئے۔ کسی حد تک یہ پسند کی شادی تھی۔ ابن انشاء کی شاعری میں ایک جادو ہے۔ ان کی بات ہی الگ ہے۔ کیا کمال کا شاعر تھا اور کیا کمال کی شاعری ہے۔

دل جبر کے درد سے بوجھل ہے، اب آن ملو تو بہتر ہو
اس بات سے ہم کو کیا مطلب، یہ کیسے ہو، یہ کیونکر ہو
انشاء جی اب اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو ان پیاروں کا

ان کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔ آوارہ گرد کی ڈائری۔ دنیا گول ہے۔ ابن بطوطہ کے تعاقب میں۔ چلے ہو تو چین کو چلے۔ نگری نگری پھر اسافر۔ آپ سے کیا پردہ۔ غمار گندم۔ اردو کی آخری کتاب۔ خط انشا جی کے۔ اس کے علاوہ آپ نے متعدد تراجم بھی کیے (اندھا کنواں اور دیگر پر اسرار کہانیاں۔ مجبور۔ لاکھوں کا شہر۔ شہر پناہ چینی نظمیں، سانس کی پھانس، وہ بیٹیوی تصویر، عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معرہ، قصہ ایک کنوارے کا۔ کارناسے ناب تیس مار خان کے۔ شلجم کیسے اکھڑا بچوں کیلئے ایک پرانی روسی کہانی کا ترجمہ۔ یہ بچہ کس کا بچہ ہے؟۔ قصہ دم کٹے چوہے کا۔ میں دوڑتا ہی دوڑتا۔ اختر کی یو میں، اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی سندھی شاعری کا اردو ترجمہ بھی کرنے کا بھی اعزاز ابن انشاء نے ہی حاصل کیا۔

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگانا کیا
وحشی کو سکوں سے کیا مطلب، جوگی کا نگر میں ٹھکانہ کیا

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو نظم کہنے کے ایک ماہ بعد ابن انشاء کی وفات ہوئی۔ اردو ادب کا یہ بے حد مقبول و اہم شاعر و ادیب، مزاح نگار، جس نے اپنی زندگی کے زیادہ تر ایام حالانکہ اپنے شہر کراچی، لاہور یعنی پاکستان میں گزارے، مگر جب اجل کا وقت قریب آیا تو وہ اپنے وطن سے سات سمندر پار انگلستان میں مقیم تھے۔ وہیں انہوں نے 11 جنوری 1978ء کو لندن میں وفات پائی اور پاپوش نگر قبرستان، کراچی میں آسودہ خاک ہیں۔ یہ عظیم شاعر و ادیب افسانہ نگار ابن انشاء جسمانی طور پر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس دنیا سے رخصت ہوئے 39 برس بیت گئے ہیں مگر وہ اپنی تخلیقات کے ذریعہ آج بھی زندہ ہے۔

جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہر جانی ہے

اس شہر سے دور

اک کنیا ہم نے بنائی ہے

اس اس کنیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے

سب مایا ہے۔۔۔!!!

اکرم سہیل اور عصری تاریخ

مصنف: علی احمد

کہتے ہیں کہ ایک بار اشرف صہجی کسی کام سے حفیظ جالندھری کے گھر گئے۔ وہاں انہوں نے حفیظ جالندھری سے کوئی کتاب طلب کی جو کسی الماری میں تالا بند تھی۔ حفیظ جالندھری صاحب نے پیٹھے پیٹھے ہانک لگائی۔۔۔ پیگم ذرا چابی دینا، ایک کتاب نکالنی ہے۔ اس پر صہجی چپک کر بولے "ہاں ہاں ضرور چابی دیجیے یہ بھی اب چابی کھلونا بن گئے ہیں۔ چابی کے بغیر چل نہیں سکتے"

یہ تو گئے زمانوں کی بات ہے جب ٹیکنالوجی ذرا کم ترقی یافتہ تھی اور ان دنوں مارکیٹ پر جاپان چھایا ہوا تھا۔ اب معاملہ ذرا اور آگے بڑھ گیا ہے۔ ایک طرف چین کا سایہ ہے تو دوسری طرف ریوٹ کا دور دورہ۔ اسلئے اب ہمیں ہم تم کرے میں بند ہوں اور چابی کھو دیں جیسے گیت سننے کو نہیں ملتے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اب "ٹچ" سسٹم چل رہا ہے۔ سو اب "ٹچ می ناٹ" بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں تو صہجی کا ٹھٹھا اپنی جگہ مگر یہ حقیقت ہے کہ اب عمومی طور پر سوچ و عمل کے باب میں کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ صاف نظر آتا ہے کہ ریوٹ کہیں اور ہے حرکت کہیں اور۔۔۔ اس بے حس و جامد کیفیت میں کچھ فرزانے بلکہ دیوانے ایسے ہوتے ہیں جو "کل جاسم سم" کا اسم اعظم الاچتے سناتے دوڑتے بھاگتے پھرتے ہیں۔ کہ شاید کہیں کوئی جنبش ہو اور کوئی روک بندش کھلے۔ وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ جو کہنے کو کئی سال بیوروکریسی میں گزارا بلکہ گنوا کر آیا ہے۔ لیکن ایسا کلاما "نیا" کہ برسوں پہلے دیکھے خواب سنبھالے پھرتا ہے۔ اسے گمان ہے کہ اس کے خواب نئے اجالوں کے سفیر ہیں۔ اس کا گمان وقت کے ساتھ ساتھ ایقان میں بدلا سو وہ کہنے کے قابل ہوا۔

میں وہ جانتا ہوں حقیقتیں جو اس ارض بے نوا کی ہیں گر دل میں رکھ کے ہی سو گیا تمہیں کون پھر یہ بتائے گا اس نے اپنے خوابوں کا انتساب کچھ ایسا کیا کہ سب ظاہر باہر ہو گیا۔ مشہور پہاڑی آخان ہے کہ "ہمنیاں ناں بالا نیدی اے اپنا" اس کی فکر و شاعری کے باب میں یہ آخان مکمل طور پر صادق آتا ہے کہ اس کا حرف لفظ لفظ اس کی سوچ کا آئینہ دار ہے۔

وہ "حم" لکھتا ہے تو کہتا ہے کسی نے لو جو لگائی تو اس کو دار ملی کہیں تو نوک سناں تن کے آر پار ملی وہ تیرے نام کا صدقہ اتارنے کے لئے دیا تھا دل تو چلے جان وارنے کے لئے اور "نعت" کہے تو یوں گویا ہوتا ہے۔ قاطع عہد غلامی وہ بشیر اور نذیر عہد ظلمات میں وہ شمس الضحیٰ کی تنویر ظلم کا ہاتھ جھٹک دینے کی توفیق ملی بند سوچوں کو بھی پھر جرات تحقیق ملی غالباً

اسی متبرک سوتے سے تحقیق و تخلیق کی جرات پا کر جب وہ آگے بڑھتا ہے تو اس کا اسم اعظم کام کر جاتا ہے۔ وہ کل جا سم سم کہتا ہے تو ملکی حالات، تاریخ، تحریک اور سیاست کے بند در اس کے سامنے کچھ یوں داہوتے ہیں کہ وہ سات پردوں میں ہونے والے معاملات کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اس کی پرکھ کی یہ صلاحیت دیکھ کر کبھی کبھی وہ مجھے "حکایت" کے صابر راجپوت کی کہانیوں کا "کھوجی" لگتا ہے جو کھرا اٹھتا ہے، تو ملکی وسائل لوٹنے والوں کے گھریں تک پہنچتا ہے۔ وہ اس سمجھ بوجھ کو جب اپنی اہلیت اور فنی ریاضت کے سہارے شاعری کا چیر ہن پہناتا ہے تو وہ سنور کھڑ کر یوں سامنے آجاتا ہے کہ سیاہ اندھیرے میں چاندنی سی چمک چمک بن جاتی ہے۔

وہ فکری طور پر راسخ ہے سو اسے کر بلا حریت کا استعارہ لگتا ہے اور اسے یہ جرات بھی حاصل ہے کہ وہ فیض سے پوچھ پائے کہ "کب راج کرے کی خلق خدا" حریت اور فیض کا تذکرہ آیا تو یہ کہنا حق بنتا ہے کہ وہ ترقی پسند فکر کا حامل شخص و شاعر ہے اسی لئے اس کی شاعری میں مزاحمت کا عنصر بہت واضح ہے اور وہ جرات و ہمت کو رہبر کر کے خلق خدا کی حالت بدلنے کی آس رکھتا ہے۔ وہ شہر کے قلم کاروں کو حرمت لفظ کا اٹن بتاتا ہے اور ہمیں بتایا ہے کہ "جی روح اوہے جے فرشتے" یعنی جیسا تو ویسے حکمران باہ۔

! ائن انشا کہنا ہے کہ حق اچھا پر اس کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا سو ہم بحیثیت مجموعی وہ محتاط و منافع لوگ ہیں جو ہر سو ظلم کی پلاشتاں دیکھ کر اسے غلط تک کہنے سوچنے سے بھی گریزاں ہیں کہ مبادا یوں نہ ہو جائے مبادا وہ نہ ہو جائے۔ اس کی شاعری کا مطالعہ بتایا ہے کہ وہ اس "احتیاط" سے ممکنہ طور پر بچا رہا ہے۔ اور اس کی یہ عادت اس کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے۔ لہذا اس کا لکھا حرف حرف لفظ لفظ، شعر، نظم، قطعہ، غزل سبھی کچھ ایک خاص فکر کا غماز ہے۔ وہ اب برائے زندگی کا قائل بلکہ اس سے گھماں ہے۔ سو اس کے سارے موضوعات زندگی بلکہ کرب انگیز زندگی سے کشید ہوئے ہیں۔ اسلئے اس کی شاعری میں صداقت بھی ہے اور بغاوت بھی۔ وہ جانتا ہے کہ "حکم شامی" یوں ہی ملتا ہے۔

حکم شامی ہے مرا جشن منایا جائے میرے ارمانوں کا ایک تخت بچھایا جائے میرے احکام کی تعمیل مگر ہو ایسے سی سختی کسی کاغذ پہ نہ لایا جائے ایسی ہستی کہ جہاں لوگ ہوں گستاخ بہت ایسا گھر کوچ و بازار جلایا جائے * وہ بھی کچھ ایسا ہی "گستاخ" ہے مگر اس نے ہر بات نہایت سجود پنے سے کہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی فکر عمومی طور پر اس کے بیان کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔

یوں تو "نئے اجالے ہیں خواب میرے"۔ دس حصوں پر مشتمل ہے اور اس کے تمام حصے ایک دوسرے سے مربوط ہیں کہ اس کا موضوع مظلوم ملک و لوگ ہیں اور مظلوموں

کے درد سانچے ہوتے ہیں اور ان کے درمیان فطری اتحاد ہونا بھی لازمی امر ہے لیکن اس کے دو خصوصی حصے جو کشمیریات یعنی کشمیر کی تحریک آزادی اور یہاں کے قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا احوال بیان کرتے ہیں، خاصے کی چیز ہیں۔

کہتے ہیں کہ افغانستان کے جہاد اور روس کے سقوط کا اصل سبب کمپن میں پایا جانے والا سنہری سیال ہے۔ اس طرح ماہرین کہتے ہیں کہ دنیا میں آئندہ جنگیں پانیوں پر ہوں گی۔ ان دو حوالوں کو ذہن میں رکھ کر دیکھا جائے تو گزشتہ کئی سالوں سے کشمیر کی مایلوں اور نالوں پر قبضے کا ایک خاموش عمل آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ عمل وہ ہے جسے اس نے "وائر لائڈنگ" کا نام دیا ہے۔ اس نے پہلی بار اس اہم اور بے حد حساس معاملے کو دیکھا اس پر سوچا اور پھر پوری جرات سے لکھا۔ یوں مجھے اس کی شاعری کشمیر کی عصری تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ اس عصری تاریخ کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو مجھے شعوری طور پر یہ عمل ایک نئے کشمیر کی دریافت لگتا ہے۔

اکرم سہیل کی شاعری میں نظم و قطعے کا پلا ذرا بھاری ہے۔ اس کی نظم ہنگامی و موضوعاتی نوعیت کی ہے۔ یوں وہ مولانا ظفر علی خان کی راہ کا راہی کہلا سکتا ہے۔ لیکن بلند آہنگی اور پر شکوہ انداز کے باعث اور غالباً فطری میلان میں یکسانیت کے سبب وہ غیر محسوس انداز میں جوش کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ اس کی نظم و قطعے کا باہم مطالعہ گزشتہ دو تین دہائیوں کی تاریخ کے وہ در واکرتا ہے جو عمومی طور پر ڈاڈے باٹے کر کے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

اپنی طبیعت اور شخصیت میں وہ حلیم و متوازن شخص فیض اور احمد ندیم قاسمی کا مقلد لگتا ہے۔ فیض جو اب برائے زندگی کے قافلے کا سرخیل تھے کہ متعلق کتابوں میں پڑھا اور لوگوں سے سنا ہے کہ وہ علم، حلم اور نظم کا آمیزہ تھے تو اسی طرح رب کی مہربانی سے کھلی آنکھوں سے ندیم کو بار بار دیکھا تو یہ جانتا کہ فنی ہنرمند اور سلیقہ شعاری کیا ہوتا ہے۔ اکرم سہیل شخصی حوالوں سے ان سے متاثر لگتے ہیں لیکن مزاحمتی شاعری میں ان پر غالب ذرا زیادہ غالب نظر آتے ہیں۔ شاید حالات کی سختی اور تلخی نے ان کے لہجے کو ذرا تند کر دیا ہے، ورنہ یوں تو وہ ریلے ٹپھے شخص ہیں۔

اکرم سہیل جب کشمیر کہانی کہتے ہیں تو وہ یہاں کے بے پانی کو نہیں بھول پاتے جو ہائیڈرل جزییشن کی ہنگامی صورت میں دے دیا گیا، اسی لئے ان کا کہنا ہے۔

نالہ صدیوں سے ہے دلگیر میرا جسم بھی پایہ زنجیر میرا جس کے پانی پہ میرا حق ہی نہیں کیسے کشمیر و کشمیر میرا مسئلہ کشمیر پر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کیا رخ بھی یہ دیکھا ہے کشمیر کہانی کا باقی ہیں یہ سب نعرے مسئلہ ہے یہ پانی کا یا پھر میری دھرتی کی ایک ہی دولت ہوس زر کا وہی شکار ہوئی کیسے قبضے میں غیر کے آئی یہ حقیقت بھی

آشکار ہوئی اکرم سہیل نے کشمیر کے قدرتی وسائل کی لوٹ مار کو پہلی بار موضوع شاعری بنایا۔ سو وہ کہتے ہیں۔

میرے دریاؤں کی باتیں ، میرے اشجار کی باتیں میرے یا قوت کی باتیں، میرے مرجان کی باتیں جو ہو قومی وسائل لوٹا مقصد ہی جب ان کا کہاں بھاتی ہیں ان کو قاعدہ قانون کی باتیں اکرم سہیل کی شاعری یقیناً کشمیر کے مزاحمتی ادب میں ایک بامعنی اضافہ ہے۔ جس کی گونج نہیں جلتی رنگ دور اور دیر تک سنائی دے گی۔ کہ اس میں کشمیر کے بہتے جھرنوں اور گنگناتی ندیوں کا ترنم و الم ہے اور اس کی تاثیر یقیناً گہری اور ڈاڈی ہے۔ کہ یہ دھرتی کے سینے پر رقم وہ تحریر ہے جسے محسوس کئے بنا آگے نہیں بڑھا جاسکتا۔

§§§

چینی کے بغیر چینی چائے کا لطف

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

گی اور اگر فوری بعد پی تو بد ہضمی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ایک اور اہم بات جس کا چینی افراد بہت خیال رکھتے ہیں کہ چائے کے ساتھ کسی بھی قسم کی ادویات کا استعمال نہیں کریں گے ایسا نہیں کہ پاکستان میں ہم بخار یا سر درد کی گولی بھی اکثر چائے کے ساتھ ہی لیتے ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ایک اور بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ دفاتر، گھر اور ہوٹل میں پی جانے والی چائے میں بھی فرق ہو گا مثلاً دفاتر میں زیادہ گرین ٹی یا سبز چائے استعمال کی جائے گی اس کی وجہ بتائی جاتی ہے کہ سبز چائے میں ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو کمپیوٹر سے نکلنے والی شعاعوں سے انسانی جسم کو بچانے میں مفید ثابت ہوتے ہیں اور انسانی جسم میں سبز چائے نمی کی مقدار کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

اگر چین میں چائے کی مختلف اقسام کے حوالے سے دیکھیں تو ان کو گرین ٹی، بلیک ٹی، ڈارک ٹی، اولانگ ٹی اور وائٹ ٹی میں تقسیم کیا گیا ہے اور چائے کی ہر قسم کے ساتھ کچھ کہاوٹیں یا کچھ روایات منسوب ہیں۔ مثلاً گرین ٹی کو سادگی سے منسوب کیا جاتا ہے اور عام طور پر جنوبی چین میں رہنے والے باشندوں کے حوالے سے کہا جاتا ہے وہ اس کو زیادہ استعمال کرتے ہیں، بلیک ٹی کو ایسے افراد سے منسوب کیا جاتا ہے جو نرم دل اور شرمیلے ہوتے ہیں، اولانگ ٹی کو ملنسار اور عام طور پر فلسفیانہ مزاج رکھنے والے افراد کی پسند قرار دیا جاتا ہے اسی طرح ڈارک ٹی کو بزرگ دانا افراد کی پسند میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک اور بات نہایت اہم ہے کہ پورے چین میں چینی کے بغیر چائے پینے کا رواج ہے کیونکہ چین کے لوگ چینی کے زیادہ استعمال کو صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ قرار دیتے ہیں اور موٹاپے کی بڑی وجہ بھی چینی کے زیادہ استعمال کو قرار دیتے ہیں۔

اگر معاشی اعتبار سے دیکھیں تو چین میں چائے کی صنعت ملک کی معاشی ترقی میں بھی ایک کلیدی کردار ادا کر رہی ہے اور چین کا شمار دنیا کے ان بڑے ممالک میں ہوتا ہے جو دنیا کے دیگر ممالک کو چائے کی برآمد میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ چین کی حکومت بھی اس صنعت کی ترقی کے حوالے سے اقدامات کرتی رہتی ہے اور یہ کوشش کی جاتی ہے جہاں ملکی ضروریات کو پورا کیا جا سکے وہاں بیرونی ممالک میں بھی معیاری چائے برآمد کی جا سکے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ملک کے مختلف حصوں میں چائے کی صنعت کی ترقی اور ملک میں ٹی کلچر کے فروغ کے لیے بھی مختلف سیمینارز، کانفرنسز اور دیگر تقاریب کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ سو جب بھی چین آئیں چینی چائے سے ضرور لطف اٹھائیں لیکن وہ بھی بغیر چینی کے۔

§§§

چینی ثقافت میں چائے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اگرچہ پاکستان میں پی جانے والی چائے سے چینی چائے قدرے مختلف ہے لیکن چائے سے منسلک کچھ روایات، چائے سے جڑے کچھ لوازمات اور لوگوں کی پسندیدگی کے مختلف معیارات چینی چائے کو ایک خاص رنگ دیتے ہیں۔ چینی معاشرے میں اگر چائے کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں پانچ ہزار سال پیچھے جانا پڑے گا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک چینی بادشاہ شین لونگ نے اپنے دور حکومت میں جہاں دیگر فرمان جاری کیے ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ صحت مند اور توانا رہنے کے لیے پینے کے پانی کو استعمال سے قبل ضرور ابالا جائے۔ گرمیوں کی ایک دوپہر اپنی سلطنت کے ایک دور دراز علاقے کے دورے کے دوران بادشاہ اور ان کے درباری ایک مقام پر سستانے کی غرض سے رکے اور بادشاہ سلامت کے لیے پانی ابالا جا رہا تھا کہ اسی دوران نزدیکی جھاڑی سے کچھ پتیاں اٹلتے پانی میں آگری اور پانی کا رنگ فوری تبدیل ہو گیا۔ اب بادشاہ کے دل میں پانی کے اس نئے ڈانکے کو چکھنے کی خواہش نے جنم لیا، جب انہوں نے پتوں ملا رنگ دار پانی پیا تو ڈانکے دار بھی لگا سو یہیں سے چائے کا آغاز ہوتا ہے اور یہ دور تھا 2337 قبل مسیح۔ اس وقت سے لیکر آج تک چین میں چائے کو مختلف تقاریب میں نمایاں اہمیت حاصل ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ چائے کا راج ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

اگر چینی معاشرے میں چائے کے استعمال کی بات کی جائے تو اس میں بھی آپ کو مختلف رنگ ملیں گے۔ کچھ لوگ چائے کو پیاس بھجانے اور پانی کے نعم البدل کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو کچھ کے نزدیک چائے پینے سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ بعض افراد تو فطری ماحول سے محبت، موسیقی میں دلچسپی اور باہمی روابط استوار کرنے میں بھی چائے کے معترف نظر آتے ہیں۔ مزید دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ چین میں معیاری چائے کے بھی پیمانے وضع کیے گئے ہیں ایسا ہر گز نہیں کہ جس طرح پاکستان میں اکثر کہا جاتا ہے کہ بس چائے ہوئی چاہیے چاہے کسی ٹرک ہوٹل کی ہو یا کسی فائیو اسٹار ہوٹل، یہ الگ بات ہے کہ پاکستان میں لوگوں کی اکثریت ٹرک ہوٹل کی چائے کو کسی بھی بڑے ہوٹل کی چائے سے بہتر قرار دیتی ہے، پیانوں کی بات ہو رہی تھی تو چین میں چائے کو جن خصوصیات کی بناء پر پرکھا جاتا ہے اس میں پہلی خاصیت چائے کی رنگت، دوسری چائے کی خوشبو، تیسری خاصیت چائے کا ذائقہ ہے لیکن جناب بات یہیں ختم نہیں ہوتی مزید دو چیزیں اور بھی شامل ہیں جو پاکستان سمیت دیگر دنیا سے قدرے مختلف ہیں پہلی چیز پانی کا معیار مطلب یہ کہ پانی کون سا استعمال کیا گیا ہے اور آخری چیز چائے سیٹ، مطلب چائے پیش کرنے کے لیے کس قسم کے برتن استعمال کیے گئے ہیں۔ مختصراً یہی کہ برتن بھنا معیاری اور اچھا ہو گا اتنی ہی چائے کے لیے پسندیدگی بڑھے گی، ویسے معیاری کو آپ مٹکے برتن سے بھی تعبیر کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اب چائے تو پیش کر دی گئی اگلا مرحلہ پینے کا ہے تو جناب چین میں چائے پینے کے بھی کچھ اصول ہیں مثلاً چائے آپ نے گرم گرم ہی ختم کرنی ہے ایسا نہیں کہ ساتھ ساتھ دفتر کا کام بھی جاری ہے اور چائے بے ٹک ٹھنڈی ہو جائے، اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ چائے میں موجود مفید اجزاء سے لطف اندوز صرف گرم چائے سے ہی ہوا جا سکتا ہے۔ ایک اصول یہ بھی ہے کہ زیادہ سخت یا اگر پاکستانی لفظ استعمال کریں تو زیادہ کڑک چائے نہیں پینی ہے بقول چینی افراد کے کہ زیادہ کڑک چائے انسانی معدے کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کا معیار یہ طے کیا گیا ہے کہ پورے دن میں آپ بارہ سے پندرہ گرام کے درمیان چائے کی پتیاں استعمال کریں گے۔ چائے پینے کے لیے بہترین اوقات کا تعین بھی کیا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ جب جی چاہا چائے پی لی، چینی افراد کھانے سے کچھ دیر قبل یا فوری بعد چائے نہیں پیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھانے سے پہلے چائے پی لی تو بھوک ختم ہو جائے

شوگر مافیا کا عروج اور کپاس کا زوال

مصنف: علی احمد

سے کئی گنا آگے ہیں۔ کما کی فصل 12 سے 16 ماہ میں تیار ہوتی ہے اور اس کے لیے اوسطاً 78 انچ فی ایکڑ پانی درکار ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر مقامی فصلوں کے لیے پانی کی ضرورت کا جائزہ لیں تو کپاس اوسطاً 39 انچ فی ایکڑ، مکئی 35 انچ فی ایکڑ، گندم، جوار اور باجرہ 21 انچ فی ایکڑ پانی سے تیار ہوجاتی ہیں۔ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ کما کی فصل کو باقی تمام فصلوں کی نسبت تین گنا زیادہ پانی کی ضرورت ہے لیکن اس کے باوجود ہر سال کما کے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ کر کے ملک کو پانی کے بحران میں دھکیلنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اگر کما کے زیر کاشت رقبہ کو محدود کر دیا جائے تو جہاں کپاس کی پیداوار میں اضافہ ہوگا وہاں ایک کثیر رقبہ پر اس دورانہ میں گندم کی دو فصلیں کاشت کی جاسکتی ہیں جس کی وجہ سے پاکستان گندم میں خود کفیل ہوجائے گا۔

کسانوں کی کسمپرسی ملاحظہ کیجئے کہ چینی کی کم قیمتوں کی وجہ سے گئے کے کاشتکاروں کو اپنی فصل شوگر انڈسٹری کے صنعت کاروں کے رحم و کرم پر چھوڑنی پڑتی ہے۔ باثر افراد پر مشتمل شوگر ملز مافیا بیک وقت کم قیمت پر گنا خرید کر اور کسانوں کو منگنے داموں چینی فروخت کر کے ان کا استحصال کر رہا ہے۔ کسانوں کو گئے کی مناسب قیمت نہیں دی جاتی بلکہ معمولی قیمت کی ادائیگی کے لیے بھی مہینوں تک محروم رکھا جاتا ہے۔ شوگر ملز کروڑوں روپوں کی نالاندہ ہیں کیوں کہ بیشتر شوگر ملیں حکمرانوں اور سیاسی راہنماؤں کی ذاتی ملکیت ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق اس وقت پاکستان میں کل 85 شوگر ملز ہیں سے آدھی سیاستدانوں کی ملکیت ہیں۔ پنجاب میں شریف خاندان کی 9 شوگر ملز ہیں جبکہ سندھ میں چار شوگر ملز درباری خاندان کی ملکیت ہیں اور ایک شوگر مل ذوالفقار مرزا کی ملکیت ہے۔ آئی ایس کے سابق ڈی جی اختر عبدالرحمان کے دو صاحبزادوں ہارون اختر اور ہمایوں اختر کی دو شوگر ملز ہیں۔ تحریک انصاف کے مرکزی رہنما جہانگیر خان ترین کی دو شوگر ملز سابق چیئرمین پی سی بی ذکا مشرف ایک شوگر مل کے مالک ہیں۔ سابق وفاقی وزیر عباس سرفراز خیبر پختونخوا میں موجود 8 میں سے 4 شوگر ملز کے مالک ہیں۔ اسی طرح اس کے علاوہ محرم احمد محمود، نصر اللہ دریغ، چوہدری شجاعت حسین، چوہدری پرویز الہی اور میاں اختر سمیت کئی سیاستدان اور خاندان شوگر ملز کے مالک ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ٹیکسٹائل ملز کی نسبت شوگر مافیا زیادہ طاقتور ہے اور کپاس کی کاشت کرنے کے بجائے کما کو ترجیح دیتے ہوئے ملکی معیشت کو تباہ کیا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات میں کپاس کی پیداوار میں اضافہ کے لیے حکومت کو انقلابی اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ کپاس کی پیداوار کے لیے موزوں علاقوں بالخصوص جنوبی پنجاب میں کما کی کاشت، شوگر ملز کی منتقلی اور نئی شوگر ملز لگانے پر پابندی عائد ہونی چاہیے۔ کما کی فصل کے طویل دورانہ اور پانی کی زیادہ ضرورت کی وجہ سے دنیا بھر میں چتندر کو چینی کے بہترین ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں خیبر پختونخوا، سندھ اور پنجاب کے کچھ اضلاع کی آب و ہوا چتندر کی کاشت کے لیے سازگار ہے۔ چتندر کی فصل جلد تیار ہوجاتی ہے اور پاکستان میں اس کی اوسط پیداوار بھی زیادہ ہے اس لیے اسے چینی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے چتندر کی کاشت کو کما کے متبادل کے طور پر فروغ دیا جانا چاہیے۔



کپاس ہمارے ملک کی ایک اہم نقد آور فصل ہے جس کا جی ڈی پی میں حصہ 1.7 فیصد ہے۔ ٹیکسٹائل کے شعبے میں کپاس کا مرکزی کردار ہے اور ٹیکسٹائل انڈسٹری نہ صرف ہمارے 66 فیصد برآمدات کا احاطہ کرتی ہے بلکہ 40 فیصد مزدوروں کو روزگار بھی فراہم کرتی ہے۔ ملکی آب و ہوا کپاس کے لیے سازگار ہونے کے باعث پاکستان عرصہ دراز سے کپاس کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کے پانچ بڑے ممالک میں شامل رہا ہے لیکن گزشتہ پانچ سالوں میں کپاس کی پیداوار میں تشویشناک حد تک کمی نے ملکی معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان میں گزشتہ برس کپاس کی فصل خاصی بہتر رہی اور 14.6 ملین گانٹھیں حاصل ہوئیں، لیکن مجموعی طور پر کپاس کی پیداوار میں 30 فیصد کمی واقع ہوئی جس کی وجہ سے ملکی معیشت کو 5 فیصد نقصان کا سامنا رہا۔ کپاس کی پیداوار تخمینہ سے کم ہونے کے باعث کپاس کے متوقع بحران سے نمٹنے کے لیے رواں سال 15 لاکھ گانٹھوں کے لگ بھگ بیرون ممالک سے روٹی کے درآمدی معاہدے کر لیے گئے ہیں۔ کپاس کی پیداوار میں عالمی شہرت کے حامل ملک کے لیے اربوں روپے کپاس کی درآمد پر خرچ کرنا حکومت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

موسمی تغیرات اور ہر سال بیماریوں کے حملے کے علاوہ کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں بندرتج ہونے والی کمی کپاس کی پیداوار میں کمی کی بڑی وجہ ہے۔ سینٹرل کاؤن ریسرچ انسٹیٹیوٹ ملتان کے مطابق حالیہ سیزن میں کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں کمی کا بنیادی سبب گئے کے زیر کاشت رقبہ میں ہونے والا اضافہ ہے۔ ادارے کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال صوبہ پنجاب میں 15 لاکھ ایکڑ رقبہ پر گئے کی فصل کاشت کی گئی تھی، جبکہ رواں سال گئے کا زیر کاشت رقبہ بڑھ کر 18 لاکھ ایکڑ ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال کپاس کے زیر کاشت رقبہ میں پنجاب میں 21 فیصد کمی اور ملک بھر کے مجموعی زیر کاشت رقبہ میں 15 فیصد کمی ہو گئی جو کپاس کی پیداوار میں کمی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

ملکی پیداوار کے لحاظ سے صوبہ پنجاب میں کپاس کی کاشت کا رقبہ 80 فیصد ہے۔ کپاس کی فصل پر کیڑوں کے حملے سے بچا کے لیے حکومت نے محکمہ زراعت کی ہدایت پر صوبہ پنجاب میں کپاس کی قبل از وقت بوائی پر دفعہ 144 نافذ کر دی ہے۔ اگیتی کاشت پر پابندی کی وجہ سے کاشتکار کپاس کی بوائی کے لیے 15 اپریل تک انتظار کرنے کے بجائے کما کی بوائی کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ کاشت کاروں کی ایک قابل ذکر تعداد اس حکومتی اقدام کو © "کاؤن بیلٹ" میں شوگر ملز لگانے والے مافیا کما کاشت کو فروغ دلوانے کی سازش قرار دے رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ چند برسوں سے کما کے بڑھتے ہوئے زیر کاشت رقبہ نے کپاس کی پیداوار کو شدید متاثر کیا ہے۔ کما گرم مرطوب علاقے کی فصل ہے اور پنجاب گرم خشک علاقہ ہے یہاں اوسط سالانہ بارش بھی کم ہوتی ہے۔ امریکہ کی سٹینفورڈ یونیورسٹی کے محققین کے مطابق جس خطہ میں کما کی فصل کاشت کی جائے وہاں درجہ حرارت کم اور آب و ہوا مرطوب ہوجاتی ہے۔ پاکستان میں کپاس کے کی کاشت کے لیے سازگار سمجھے جانے والے علاقوں میں کما کاشت کرنے کی وجہ سے فضا میں نمی کا تناسب بڑھ چکا ہے جس کی وجہ سے آب و ہوا گرم مرطوب ہو چکی ہے۔ چونکہ کپاس کی فصل کے لیے گرم خشک آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے اس فصل پر ہر سال انتہائی خطرناک بیماریوں کا حملہ معمول بن چکا ہے۔

کپاس کے پیداواری علاقوں میں کما کی کاشت کے فروغ کے لیے سرگرم عمل مافیا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان میں کما کی فی ایکڑ اوسط پیداوار 639 من ہے جو کہ دیگر ممالک سے کئی گنا کم ہے۔ مصر، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، انڈونیشیا اور ملائیشیا میں فی ایکڑ اوسط پیداوار 1800 من سے زائد ہے جبکہ ہمارے ہمسایہ ممالک چین، بھارت اور بنگلہ دیش بھی اس دوڑ میں ہم

فن کی دنیا میں وحید مراد کا

نام ہمیشہ زندہ رہے گا

مصنف: سفیان خان

پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو، لولی ووڈ کے پہلے سپر اسٹار عظیم اداکار وحید مراد (مرحوم) کا نام فلمی دنیا سے دلچسپی رکھنے والے کسی بھی فرد کے لیے تعارف کا محتاج نہیں ہے، لولی ووڈ فلم انڈسٹری کی تاریخ وحید مراد کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہی سمجھی جائے گی۔ وحید مراد کے فن و شخصیت پر ان کی زندگی میں بھی بہت کچھ لکھا گیا اور مرنے کے بعد بھی ان کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا اور شائع کیا گیا کہ کم از کم پاکستان میں ایسی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ بعد از مرگ مقبولیت کا جو منفرد ریکارڈ وحید مراد نے قائم کیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اچھا اور سچا فنکار کبھی نہیں مرتا، اس کا کام اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھتا ہے۔



وحید مراد سے جو محبت و عقیدت ان کے مداحوں کو تھی اور ہے اس کی نظیر دو رعاشر میں ملنا ناممکن ہے۔ وحید مراد کے مداحوں نے وحید مراد سے اپنی بے لوث اور بچی محبت کی جو روشن مثال قائم کی ہے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اور یہ حقیقت ہے کہ وحید مراد کے نام کو ان کے شاندار کام، منفرد اسٹائل اور ان کے مداحوں کی چاہت نے زندہ رکھا ہے ورنہ پاکستان کی فلم انڈسٹری میں کتنے ہی بڑے فنکار آئے اور کامیاب بھی ہوئے لیکن وہ شہرت کی اس معراج کو نہیں چھو سکے جو وحید مراد کو ملی۔ ستوش کمار، درپن، سلطان رانی، محمد علی، اقبال حسن، منور ظریف، اسلم پرویز، نگہلا، نثار علی اعجاز جیسے کتنے ہی فنکاروں نے مقبولیت اور کامیابی حاصل کی لیکن انہیں انتقال

کر جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد بھلا دیا گیا جبکہ وحید مراد کا انتقال 23 نومبر 1983 کو ہوا تھا اور اب جبکہ ملک بھر میں 33 ویں برسی منائی جا رہی ہے لیکن اس طویل عرصہ میں وحید مراد ہی وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جن کے مداح ان کی برسی کا دن ہر سال مناتے ہیں اور اس موقع پر ان کے لیے قرآن خوانی کا بہتمام کر کے ایٹل ثواب کے لیے دعا کی جاتی ہے۔

پاکستان کے مایہ ناز اداکار وحید مراد (مرحوم) کے انتقال کو 33 سال ہو چکے ہیں لیکن انہیں آج بھی اس طرح یاد کیا جاتا ہے کہ جیسے وہ زندہ ہوں، ان کی شہرت اور مقبولیت میں وقت گزرنے کے ساتھ کی نہیں آئی بلکہ بعد از مرگ جو مقبولیت اور چاہت وحید مراد کو ملی، شاید ہی ایسی مقبولیت کسی اور فنکار کو نصیب ہوئی ہو کم از کم لولی ووڈ کا کوئی بھی فنکار اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ وحید مراد سے زیادہ مقبول ہے، وحید مراد کو نہ صرف پاکستان کا پہلا سپر اسٹار ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ وہ تقریباً تمام پاکستانی فنکاروں کے بھی پسندیدہ فنکار ہیں۔

وحید مراد، 2 اکتوبر 1938 بروز بدھ کراچی میں نامور فلمساز اور اے ”فلم آرٹس“ کے روح رواں فلم پروڈیوسر اور ڈسٹری بیوٹر ثار مراد کے گھر پیدا ہوئے، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اس لیے بچپن سے ہی بہت لاڈ لے تھے۔ ان کے گھرانے کا شمار پاکستان کے بہت امیر اور باعزت خاندانوں میں ہوتا تھا ان کی والدہ شیریں مراد اور والد ثار مراد دونوں ہی وحید مراد سے بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ وحید مراد نے ابتدائی تعلیم کراچی میں صدر کے علاقے میں واقع مشہور اسکول ”میری کلاس“ میں حاصل کی اور یہیں سے انہوں نے 1952 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد انہوں نے ایس ایم سائنس کالج سے بی اے کیا اور پھر 1968 میں جامعہ کراچی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ وحید مراد کی شادی ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی سلمی بیگم سے 17 ستمبر 1964 بروز جمعرات وحید مراد کی طلاق روڈ کراچی میں واقع کوٹھی پر ہوئی اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس شادی میں اداکار ندیم نے گانے سنائے، واضح رہے کہ اس زمانے میں ندیم اداکار نہیں بنے تھے بلکہ ایک گلوکار کے طور پر شوقیہ گانے گایا کرتے تھے۔ وحید مراد کے دو بچے ہیں ایک بیٹی عالیہ مراد جو 23 دسمبر 1969 کو پیدا ہوئی اور ایک بیٹا علاول مراد جو 13 نومبر 1976 کو پیدا ہوا۔ وحید مراد کی بیٹی عالیہ مراد کی شادی 12 فروری 1987 کو جناب سید سجاد حسین شاہ کے ساتھ بھیرو خونی انجام پائی۔ وحید مراد 1969 تک کراچی میں مقیم رہے لیکن جب پوری فلم انڈسٹری نے لاہور کو اپنا مرکز بنا لیا تو وحید مراد بھی اپنی فیملی کے ہمراہ لاہور شفٹ

ہو گئے لیکن انہوں نے کراچی میں بھی دو فلیٹ ”سدکو ایونیو“ نزد کراچی پریس کلب خرید رکھے تھے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے۔

وحید مراد نے اپنے فلمی کیریئر میں کل 126 فلموں میں کام کیا جن میں زیادہ تر فلمیں اردو تھیں ان کے کریڈٹ پر پلانٹیم جوبلی، گولڈن جوبلی اور سلور جوبلی کی بے شمار فلمیں ہیں لیکن انہیں پنجابی فلموں میں بھی کافی پسند کیا گیا انہوں نے 9 پنجابی فلموں میں کام کیا اور ایک پنجابی فلم ”مستانہ ماہی“ خود بھی پروڈیوسر کی انہوں نے صرف ایک پشتو فلم ”پختون پہ ولایت کنہ“ میں کام کیا جو درحقیقت وحید مراد اور آصف خان کی کامیاب اردو فلم ”کالا دھندلا گورے لوگ“ کا پشتو ورژن تھی۔ ان کی ایک فلم ”شبانہ“ نے ڈائمنڈ جوبلی منائی۔ وحید مراد کی ذاتی فلم ”ہیرو“ تکمیل کے آخری مراحل میں تھی کہ فلم ہیرو کا ہیرو اس دنیا سے چل بسا۔ وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ 1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم ”ہانگ میری بھر دو“ تھی جو 1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں ”ہیرو“ اور فلم ”زلزلہ“ ان کے انتقال کے بعد ریلیز کی گئیں۔ فلم ہیرو 11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ فلم زلزلہ 3 مارچ 1987 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم ”ہم بھی توڑے ہیں راہوں میں“ اور فلم ”میرے جیون ساتھی“ شامل ہیں۔ وحید مراد نے اپنی 23 سالہ فلمی زندگی میں عمدہ کردار نگاری پر 32 ایوارڈ حاصل کیے جن میں 4 نگار ایوارڈ بھی شامل ہیں۔

وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ 1962 میں ریلیز ہوئی جبکہ ان کی زندگی میں ریلیز ہونے والی آخری فلم ”ہانگ میری بھر دو“ تھی جو 1983 میں ہی ریلیز ہوئی جبکہ دو فلمیں ”ہیرو“ اور فلم ”زلزلہ“ ان کے انتقال کے بعد ریلیز کی گئیں۔ فلم ہیرو 11 جنوری 1985 کو ریلیز ہوئی جبکہ فلم زلزلہ 3 مارچ 1987 کو ریلیز ہوئی جبکہ ان کی دو فلمیں مکمل ہونے کے باوجود آج تک ریلیز نہ ہو سکیں جن میں فلم ”ہم بھی توڑے ہیں راہوں میں“ اور فلم ”میرے جیون ساتھی“ شامل ہیں۔

وحید مراد کی بطور اداکار پہلی فلم ”اولاد“ تھی اور بطور ہیرو پہلی فلم ”ہیرو“ اور پھر ”تھی جبکہ ان کی آخری ریلیز شدہ فلم ”زلزلہ“ تھی جو ان کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی۔ انہوں نے اپنے انتقال سے قبل جن فلموں کی شوٹنگ میں حصہ لیا ان میں ان کی ذاتی فلم ”ہیرو“ کے علاوہ بھی کئی فلمیں شامل تھیں لیکن ان تمام زیر تکمیل فلموں میں سے صرف فلم ”ہیرو“ ہی ریلیز ہو سکی اس فلم میں وحید مراد کی کئی زیر تکمیل

اوسوری فلموں کے سین بھی ڈالے گئے کیونکہ جس وقت وحید مراد کا انتقال ہوا فلم ”ہیرو“ کی فلم بندی مکمل نہیں ہوئی تھی اور ایک گانا اور کچھ سین باقی تھے جن کو فلمانے کا موقع وحید مراد کو نہ مل سکا۔ فلم ہیرو بھی وحید مراد کے انتقال کے کئی سال بعد ریلیز ہوئی اس فلم کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس فلم میں وحید مراد کے بیٹے عادل مراد بھی چائیلڈ اسٹار کے طور پر ایک مختصر کردار ادا کر کے اداکاروں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

وحید مراد کی بطور فلمساز اور اداکار نمایاں فنی کارکردگی، منفرد اسٹائل، سونگ، کچھ ایڈیٹنگ اور بے مثال مقبولیت کی وجہ سے ان کو بہت پہلے ہی پرائیڈ آف پرفارمنس مل جانا چاہیے تھا لیکن ان کے انتقال کو ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد سابق صدر پاکستان آصف علی زرداری نے 2010 میں وحید مراد کو بعد از مرگ ”تمغہ امتیاز“ عطا فرما کر وحید مراد کے لاکھوں مداحوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کر کے ان کے دل جیت لیے۔ یہ ایوارڈ ایک پر وقار تقریب میں وحید مراد مرحوم کی بیوہ سلمیٰ مراد نے اس وقت کے صدر پاکستان سے وصول کیا۔ واضح رہے کہ صدر پاکستان کی کرسی پر فائز رہنے والے آصف علی زرداری ماضی میں ایک فلم ”ساگرہ“ میں وحید مراد کے بچپن کا کردار بھی ادا کر چکے ہیں۔

پاکستان کے پہلے سپر اسٹار وحید مراد کا شمار فلم انڈسٹری کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے اداکاروں میں ہوتا تھا، انہوں نے پاکستانی فلموں میں اپنے کیریئر کا آغاز ایک فلمساز کے طور پر 1960 میں کیا اور بطور فلمساز 12 فلمیں پروڈیوس کیں جن میں سے 4 فلموں کی کہانیاں بھی انہوں نے خود تحریر کیں جبکہ اپنی ذاتی فلم ”اشارہ“ کی ہدایتکاری بھی کی اور اسی فلم میں ایک گانا بھی بطور گلوکار انہوں نے گایا، بطور فلمساز ان کی پہلی فلم ”انسان بدلتا ہے“ تھی جس کے بعد انہوں نے فلم پروڈیوسر کی حیثیت سے اپنی دوسری فلم ”جب سے دیکھا ہے تمہیں“ بنائی اس کے علاوہ وحید مراد نے بطور فلمساز ایک پنجابی فلم ”مستانہ مائی“ بھی پروڈیوس کی جس کے ہیرو بھی یہ خود ہی تھے۔ گڈاسہ کلچر پر مبنی فلموں کے دور میں انہوں نے ایک صاف ستھری رومانی پنجابی فلم ”مستانہ مائی“ بن کر فلموں کا ٹریڈ بدلا ان کی پہلی ہی پنجابی فلم نے سپر ہٹ کامیابی حاصل کر کے ان کو اردو فلموں کے ساتھ ساتھ پنجابی فلموں کا بھی کامیاب اداکار بنا دیا جس کے بعد ان کو متعدد پنجابی فلموں میں کاسٹ کیا گیا۔ فلمساز کی حیثیت سے اپنی بنائی ہوئی ابتدائی دونوں فلموں ”فلم جب سے دیکھا ہے تمہیں اور فلم انسان بدلتا ہے“ میں یہ خود ہیرو نہیں آئے بلکہ انہوں نے اپنی ان دونوں فلموں میں اداکار درپن کو ہیرو و لیا تھا، وہ صرف ان فلموں کے پروڈیوسر تھے

لیکن بطور فلمساز ان دونوں فلموں کی تکمیل کے دوران انہیں اداکار درپن نے بہت زیادہ پریشان کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے فلمساز کی حیثیت سے جب اپنی تیسری فلم ”ہیرا اور پتھر“ شروع کی تو اس فلم کے لیے انہوں نے کسی دوسرے ہیرو کو کاسٹ کرنے کے لیے سوچنا شروع کیا اسی دوران ان کے قریبی دوستوں نے ان کو مشورہ دیا کہ چونکہ وہ خود بھی اسٹار اور خوبصورت ہیں لہذا وہ اس فلم میں خود ہی ہیرو کا کردار ادا کریں۔ یہ بات وحید مراد کے دل کو بھائی اور بطور فلمساز انہوں نے اپنی تیسری فلم ”ہیرا اور پتھر“ میں ہیرو کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس فلم میں نہ صرف وہ خود ہیرو آئے بلکہ اپنے دوستوں کو بھی اس فلم کے ذریعے فلمی دنیا میں متعارف کروایا جن میں ہدایتکار پرویز ملک، موسیقار سہیل رانا، نغمہ نگار مسرور انور، ہدویں کار ایم عقیل خان اور کئی نئے فنکار شامل تھے، فلم ”ہیرا اور پتھر“ کی شاندار کامیابی نے نہ صرف وحید مراد کو فلمی ہیرو بنا ڈالا بلکہ فلم انڈسٹری کو کئی ایسے نامور فنکار دیے جنہوں نے آگے جا کر بڑا نام اور مقام پیدا کیا۔ 1961 میں وحید مراد کو ہدایتکار ایس ایم یوسف نے اپنی فلم ”اولاد“ میں ایک اہم رول میں پہلی بار کاسٹ کیا اور یوں بطور اداکار وحید مراد کی پہلی فلم ”اولاد“ اگست 1962 میں ریلیز ہوئی اور 50 ہفتے چل کر گولڈن جوبلی کرنے کا اعزاز حاصل کیا لیکن وحید مراد کو اصل شہرت اور کامیابی اپنی ذاتی فلم ”ہیرا اور پتھر“ سے ملی جس میں انہوں نے پہلی بار بطور ہیرو کام کیا اور بہت پسند کیے گئے، یہ فلم 4 دسمبر 1964 میں ریلیز ہو کر شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوئی اس فلم میں وحید مراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں، اس فلم کی کامیابی سے لوی ووڈ کو ایک ایسا اسٹائش رومانی ہیرو مل گیا جس نے آگے چل کر پاکستان فلم انڈسٹری کا نام دنیا بھر میں مشہور کیا۔ وحید مراد کو پاکستان کی پہلی پلانٹیم جوبلی فلم ”مران“ کا مصنف، فلمساز اور ہیرو ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے یہ فلم 1965 میں ریلیز ہوئی اس فلم میں بھی وحید مراد کی ہیروئن اداکارہ زیبا تھیں۔ فلم ہیرا اور پتھر کے بعد فلم ارمان کی فقیہ اللہ شال کامیابی سے وحید مراد اور زیبا کی فلمی جوڑی راتوں رات سپر ہٹ ہو گئی اور ان دونوں کا نام ہی فلموں کی کامیابی کی ضمانت بن گیا اور ان دونوں کو متعدد فلموں میں ایک ساتھ کاسٹ کیا گیا جن میں سے تقریباً تمام ہی فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں جبکہ انہوں نے متعدد فلموں میں اداکارہ روزینہ، اداکارہ دیبا اور اداکارہ نشو کے ہمراہ ہیرو کا کردار ادا کر کے کامیابی بھی حاصل کی لیکن وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی اداکارہ کے ساتھ اپنی جوڑی بنائیں جو زیبا کا نعم البدل ثابت ہو سکے چنانچہ انہوں نے بنگلہ دیش (سابقہ مشرقی پاکستان) کی فلموں میں کام کرنے والی ایک اداکارہ شبنم کو مغربی پاکستان بلا کر اپنی ذاتی فلم ”سمندر“ میں اپنے ساتھ بطور ہیروئن کاسٹ کیا اور ان کا یہ تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا فلم سمندر نے بھی سپر ہٹ کامیابی حاصل کی اور یوں ان کی جوڑی

اداکارہ شبنم کے ساتھ بھی ہٹ ہو گئی جس کے نتیجے میں ان دونوں کی متعدد فلموں نے سپر ہٹ کامیابی حاصل کی جن میں خاص طور پر فلم عندلیب، ہندگی، نصیب اپنا اپنا اور لاڈلا جیسی فلمیں شامل ہیں جن کو آج بھی شوق سے دیکھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو وحید مراد نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، شبنم کو مغربی پاکستان میں وحید مراد نے ہی انٹرویو س کروایا، پرویز ملک، سہیل رعنا اور مسرور انور کو فلمی دنیا میں متعارف کروانے اور بام عروج پر پہچانے والا وحید مراد اپنے ہی دوستوں کی بے رخی اور احسان فراموشی کا شکار ہوا تو وہ یہ غم برداشت نہ کر سکا اور چونکہ وہ ایک حساس دل رکھتا تھا اس لیے وہ بہت زیادہ دلبرداشتہ ہو گیا جس کا اثر ان کی صحت پر بھی پڑا اور اسی دوران وحید مراد کے والد نثار مراد کا بھی انتقال ہو گیا، وحید مراد اپنے والد سے بہت پیار کرتے تھے وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر پائے اور شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئے جس کی وجہ سے وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے اور آخری دنوں میں اسی ڈپریشن کی وجہ سے ان کے کئی ایکسیڈنٹ بھی ہوئے جن میں ان کے چہرے پر بھی زخم آئے جن کے علاج اور سرجری کے لیے وہ کراچی آئے ہوئے تھے جہاں ان کے ساتھ صرف ان کا بیٹا عادل مراد موجود تھا جس کی عمر اس وقت صرف 13 سال تھی۔ وحید مراد کی وائف سلمیٰ مراد اور ان کی بیٹی عالیہ مراد ان دنوں ہوسٹن امریکہ میں مقیم تھیں۔

اپنے انتقال سے چند روز قبل وہ کراچی میں پریس کلب کے قریب ”سدکو ایونیو“ میں واقع اپنے ذاتی فلیٹ سے اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کے گھر منتقل ہوئے تھے، انہوں نے انتقال سے 10 دن قبل اپنے بیٹے عادل مراد کی ساگرہ بھی بنائی تھی جس کے بعد وہ اپنے چہرے پر لگے ہوئے زخموں کی پلاسٹک سرجری کے لیے سرجن سے ٹائم لے چکے تھے کہ 23 نومبر 1983 کو وہ کراچی میں اپنی منہ بولی بہن بیگم ممتاز ایوب کی رہائش گاہ پر اپنا پاک انتقال کر گئے اور ان کی وفات کے ساتھ ہی فلمی دنیا کے ایک سنہری دور کا خاتمہ ہو گیا، ان کے انتقال سے دو ہفتے قبل کراچی میں راقم الحروف نے ان سے ”سدکو ایونیو“ نزد کراچی پریس کلب میں واقع ان کے فلیٹ میں ان سے ملاقات کی تھی جس کے دوران ان کا پرانا ملازم سکندر بھی موجود تھا اس یادگار ملاقات میں وحید مراد صاحب کو میں نے اپنے مضامین اور ان کی تصاویر پر مشتمل ایک البم بھی پیش کی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ وہ وحید مراد جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لوگ بے قرار رہتے تھے اور جس کی خوبصورتی اور اسٹائش کے چرچے گھر گھر ہوا کرتے تھے اس ملاقات میں وہ کسی شاندار عمارت کا کھنڈر دکھائی دے رہا تھا، ڈپریشن اور مایوسی نے وحید مراد کی خود اعتمادی اور قابل رشک جوانی کو دیمک کی طرح کھا لیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی مایوسی اور ڈپریشن لاکھوں فلم بینوں کے پسندیدہ فنکار



وحید مراد پاکستانی فلموں کے پہلے ڈانگ ہیرو اور پہلے سپر اسٹار تھے ان کے ہیئر اسٹائل، چال ڈھال، لباس، لب و لہجہ، اداکاری اور خاص طر پر گانوں کی فلمبندی کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے ان کے اسٹائل کو نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی عام لوگوں اور فلمی دنیا کے نامور سپر اسٹارز نے کاپی کیا۔ وحید مراد پاکستان کے وہ واحد فنکار تھے جن کے مداحوں نے سب سے پہلے ان سے منسوب ایک فین کلب ”آل پاکستان وحیدی کلب“ قائم کیا کسی بھی فنکار کے مداحوں کی جانب سے بنایا گیا یہ پاکستان کا پہلا فین کلب تھا اس سے قبل پاکستان میں ایسی کوئی روایت نہیں تھی، آل پاکستان وحیدی کلب کے علاوہ ان کے مداحوں نے آل پاکستان پرنس وحیدی کلب اور آل پاکستان وحید مراد آرٹ سرکل جیسی فعال ثقافتی تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے وحید مراد کے نام اور کام کو زندہ رکھنے کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں۔ وحید مراد وہ پہلے پاکستانی اداکار تھے جن کے نام پر سب سے پہلے کسی روڈ کا نام رکھا گیا، کراچی میں سابقہ مارشٹن روڈ کا نام بدل کر باقاعدہ سرکاری طور پر ”وحید مراد روڈ“ رکھا گیا۔ وحید مراد وہ واحد پاکستانی اداکار ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کی تقریباً تمام ہیروئنز کے ساتھ کام کیا بلکہ وحید مراد کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے ساتھ فلموں میں ہیروئن آنے والی اداکارہ شمیم آراء، نغمہ اور بہار نے بعد میں کئی فلموں میں وحید مراد کی ماں کا کردار بھی ادا کیا۔ اداکارہ شمیم آراء نے فلم ”وقت“ اور فلم ”جیواور جینے دو“ میں اور اداکارہ نغمہ نے فلم ”آواز“ میں وحید مراد کی ماں کے کردار ادا کیے۔ وحید مراد پاکستان کا وہ واحد فلمی ہیرو تھا جس نے کبھی ٹینگ ٹو اولڈ کردار ادا نہیں کیا وہ کسی فلم میں کسی کا باپ نہیں بنا وہ فلموں میں ہیرو بن کر آیا تھا اور ایک ہیرو کے طور پر ہی اس فانی دنیا سے رخصت ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ کام کرنے والے اداکار محمد علی اور ندیم کئی فلموں میں وحید مراد کے

بھائی اور باپ بن کر آئے جن میں خاص طور پر فلم ”آواز“ جس میں اداکار محمد علی نے وحید مراد کے باپ کا کردار ادا کیا اور فلم ”جیواور جینے دو“ جس میں اداکار ندیم نے وحید مراد کے باپ کا کردار ادا کیا جبکہ محمد علی نے بہت سی فلموں میں وحید مراد کے بڑے بھائی کا کردار ادا کیا۔ وحید مراد نے یوں تو بہت سے مرد فنکاروں اور فلمی ہیروئنیز کے ساتھ کام کیا لیکن ان کو سب سے زیادہ اداکار محمد علی اور اداکارہ رانی کے ساتھ پسند کیا گیا اور ان دونوں فنکاروں کے ساتھ ریلیز ہونے والی وحید مراد کی اکثر فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔ جس دور میں وحید مراد فلموں میں کام کیا کرتے تھے اس دور میں کسی بھی نئی اداکارہ کو فلموں میں انٹرو ڈیوس کروانا ہوتا تو فلمساز اور ہدایتکار ہمیشہ اس اداکارہ کو سب سے پہلے وحید مراد کے ساتھ ہی ہیروئن کے طور پر کاسٹ کیا کرتے تھے جیسے اداکارہ انجمن کو فلم ”وعدے کی زنجیر“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا اور اسی طرح اداکارہ روجی بانو کو فلم ”ضمیر“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر انٹرو ڈیوس کروایا گیا، غیر ملکی اداکارہ شمیم سنگھ کو فلم ”کالا دھندہ گورے لوگ“ میں وحید مراد کی ہیروئن کے کردار میں فلم بیٹوں سے متعارف کروایا گیا۔ اداکارہ سائرہ کو فلم ”چھوٹے میرے گلشن کا“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر متعارف کروایا گیا، اداکارہ نیلم کو فلم ”بندھن“ میں وحید مراد کی ہیروئن بنا کر منظر عام پر لایا گیا غرض یہ کہ اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ جب بھی کسی اداکارہ کو لوی ووڈ میں پہلی بار چانس دیا گیا تو اس کے مد مقابل ہیرو کے کردار کے لیے ہمیشہ وحید مراد کو ہی چنا گیا۔ وحید مراد نے تمام فلموں میں بطور ہیرو ہی کام کیا لیکن صرف ایک فلم ”دیشیے کا گھر“ میں انہوں نے اداکار شاہد کے مد مقابل ”ولن“ کا کردار ادا کیا۔ وحید مراد کے آخری دور کی فلم ”آہٹ“ وہ واحد فلم ہے جس میں وحید مراد پر کوئی گانا کچراڑ نہیں کیا گیا جبکہ ان کی آخری فلم ”ہیرو“ وہ واحد فلم ہے جس میں وحید مراد نے اپنے ایک کردار کو نبھانے کے لیے اپنے مشہور زمانہ ہیئر اسٹائل کو تبدیل کر کے بال ماتھے سے اوپر کر کے بنائے۔

وحید مراد کو ان کے خاندان میں پیار سے سب ”ویدو“ کہہ کر بلاتے تھے۔ وحید مراد چٹ پٹے مصالحہ دار کھانے بہت شوق سے کھاتے تھے خاص طور پر جھینگا، مچھلی اور نہاری ان کے پسندیدہ کھانے تھے جبکہ لہسن کی چٹنی ان کے دستر خوان کا لازمی حصہ ہوا کرتی تھی۔ وحید مراد بہت صاف گو اور نفیس انسان تھے جو ان سے ایک بار مل لیتا وہ ان کا گردیدہ ہو جایا کرتا تھا۔ وحید مراد کی بیٹی عالیہ مراد اور بیٹا عادل مراد دونوں ہی نے شوہز کی دنیا میں قدم رکھا لیکن عالیہ مراد لیڈیز کپڑے بنانے والی ایک کمپنی کے اشتہار میں اداکارہ انیتا ایوب کے ہمراہ ماڈلنگ کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد شادی کر کے شوہز کی دنیا سے دور

چلی گئیں جبکہ عادل مراد نے شوہز کی فیلڈ میں خاصی کامیابی حاصل کی اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے آپ کو منوایا، وہ مقامی ٹی وی چینل کے ایک مقبول پروگرام ”سچ کا سامنا“ کے ہوسٹ بھی بنے اور ان کے اس پروگرام نے پسندیدگی کی سند حاصل کی۔ کل کا چانپلڈ اسٹار عادل مراد آج ایک کامیاب اداکار اور پروڈیوسر بن چکا ہے جس کی بنائی ہوئی ٹیلی فلمیں اور ٹی وی ڈرامے ناظرین میں مقبولیت حاصل کر رہے ہیں، پروڈکشن اور ڈائریکشن کے ساتھ بعض ٹیلی فلموں اور ڈراموں میں عادل مراد نے عمدہ اداکاری کر کے اپنے مداحوں کا ایک حلقہ بنالیا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے مقبول ترین فلمی ہیرو وحید مراد کا شروع کیا ہوا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے کہ عادل مراد کی شکل میں ایک باصلاحیت پروڈیوسر، ہدایتکار، ہوسٹ، اور اداکار لوی ووڈ فلم انڈسٹری اور ٹی وی چینلز پر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کامیابی کے سفر پر گامزن ہے۔

وحید مراد کا شاندار کام ان کے نام کو فن کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا کہ وحید مراد جیسے منفرد، اسٹائلش اور باصلاحیت اداکار صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں تک یاد رکھے جاتے ہیں جب تک فن، فنکار اور فنکاروں کے قدردان موجود ہیں وحید مراد کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان جیسا فنکار نہ ان کے زمانے میں کوئی تھا نہ آج ہے اور نہ ہی آنے والے کل میں پیدا ہوگا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کے انتقال کر جانے کے 33 برس بعد بھی کوئی دوسرا پاکستانی فنکار ان جیسی بے مثال اور ریکارڈ ساز مقبولیت حاصل نہیں کر سکا، بہت سے فنکاروں نے وحید مراد کے اسٹائل کو کاپی کیا لیکن کوئی بھی وحید مراد کی جگہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ بعض لوگوں کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ وحید مراد مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

کاروباری راز

مصنف: سفیان خان

اس دوکان سے مجھے میڈیسن خریدتے تیسرا روز تھا، اور میں میڈیکل سٹور والے کی خوش اخلاقی سے کافی متاثر بھی تھا، اسی وجہ سے میں بار بار اسی دوکان والے کے پاس جا رہا تھا۔ ہسپتال میں موجود مریض جس کیلئے ادویات خریدی جا رہی تھیں اب تقریباً صحتیاب ہو رہا تھا۔



ڈاکٹرز نے جو ادویات لکھ کر دی تھیں، ان میں سے کچھ ادویات بچ گئیں تھیں جو کہ فل پیکیڈ اور قابل استعمال تھیں۔ میں نے سوچا یہ ادویات واپس کر دی جائیں۔ جب میں اس ارادے سے میڈیکل سٹور والے کے پاس پہنچا اور اسے ادویات کی واپسی کا بولا تو پہلے تو اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا پھر ایسے رد عمل کا اظہار کیا جیسے میں نے اسے کوئی گالی نکل دی ہو۔ اس نے ادویات واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔ میں حیران رہ گیا کہ جس بندے کے پاس صرف اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے بار بار میں جا رہا تھا اب میرے ساتھ کس طرح کا حسن سلوک کر رہا ہے۔ خیر میں نے زیادہ اصرار کیا تو موصوف کہنے لگے کہ واپسی اس صورت میں ہوگی اگر آپ نقد رقم واپسی کی بجائے کوئی دوسری میڈیسن خریدیں۔ پھر مجبوراً مجھے متبادل کے طور دوسری ادویات خریدنی پڑی، لیکن واپسی پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ہے تو وہ مسلمان اور باہر بورڈ میں نام میں بھی حاجی لکھا ہوا ہے۔ لیکن مسلمان دیتے وقت اور لیتے وقت اس کے روپے میں فرق کیوں تھا؟ اس رویہ کی وجہ سے میں نے آئندہ کبھی بھی اس سے کچھ نہ خریدنے کا تہیہ کر لیا۔ اس طرح کے واقعات ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی رونما ہوئے ہوں، لیکن اس واقعہ کے پیچھے ایک اہم کاروباری راز پوشیدہ ہے جس کو ہمارے بیشتر تاجر اور کاروباری حضرات جانتے ہی نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنے کو شریعت میں ”اتقالہ“ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز دوکان دار کو واپس کر دے اور دکاندار خریداری ادا کر دے اور رقم واپس کر دے۔

آپ ﷺ کا قول ہے ”جس نے کسی خریدے ہوئے مسلمان کو (بلا بحث و مباحثہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے) واپس لے لیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ مٹا دیں گے۔“ مگر ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پارہے، اور غیر مسلموں نے اس پر عمل کر کے اس اہم ”کاروباری راز“ کو پا لیا ہے۔ ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں جسے سن کر مجھے لگا جیسے میں کوئی خیر القرون کا قصہ سن رہا ہوں۔ پاکستان میں اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس کے ایک صاحب ہیں اپنے ساتھ امریکہ میں پیش آیا واقعہ بتاتے ہیں کہ کپڑا خریدے دو ماہ ہو چکے تھے۔ بیگم نے کھول کر دیکھا تو اسے اپنے معیار کا نہ پایا۔



کہنے لگیں یہ واپس کر آئیں۔ میں نے کہا جی دو ماہ ہو چکے۔ اب واپس نہیں ہوگا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی انٹیلی جنس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یقین سے کہا یہاں واپس ہو جاتا ہے۔ میں نے ہتھیار ڈالنے ہوئے کہا اچھا چلو رسید دے دو، میں سوچتا ہوں۔ اہلیہ نے حیرت کا دوسرا جھٹکا دیتے ہوئے کہا رسید بھی گم ہوگئی، لیکن واپس ہو جائے گا۔ میرے لیے یہ بیگم کا نکتہء نظر قابل قبول نہیں تھا۔ میں نے تو پاکستان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے، خریدی ہوئی چیز واپس یا تبدیل نہیں ہوگی۔ مجھے تو چند منٹ بعد واپس کرنے پر بھی کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ دکان دار نے اسی خوش دلی سے چیز واپس لے لی ہو، جس خوش دلی کا مظاہرہ وہ بیچنے کے موقع پر کر رہا تھا۔ خیر! میں نے کہا کہ یہ کام تم ہی کر کے دکھاؤ۔ ہم دونوں وال مارٹ پہنچ گئے۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے پہلے رسید مانگی۔ پھر مختلف زبانی معلومات کے ذریعے کمپیوٹر سے اس خرید و فروخت کا پتہ لگایا اور مسکراتے ہوئے کہا: ”جی ہاں! آپ نے فلاں تاریخ کو یہ کپڑا ہمارے اسٹور سے خریدا تھا۔ آپ تبدیل کروانا چاہیں گے یا کیش؟“ ایش۔ میں نے جواب دیا۔ اس خاتون نے مسکراتے ہوئے پوری رقم واپس کر دی اور کہا آج کے زمانے میں خریدی ہوئی چیز واپس لے لینا۔ واقعتاً بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ رویہ یا تو وہ اختیار کرے گا جو یا تو اس عمل پر اخروی ثواب کی امید رکھتا ہو۔ دوسرا وہ جو اس رویے کے در پردہ مالی فائدہ کو سمجھ سکے۔ وال مارٹ والے ظاہر ہے گاہک سے چیز ثواب کی نیت سے واپس نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ وہ دنیا کے مفادات کی خاطر انتہائی گہری تحقیق

کے بعد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی فراخ دلی جب دکھائی جائے گی تو کچھ لوگ اسے غلط ضرور استعمال کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی غور کر رکھا ہے۔



چنانچہ کرسمس کے بعد وال مارٹ کے باہر ایک طویل قطار مسلمان واپس کرنے والوں کی لگتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کرسمس کے لیے جوتے، کپڑے اور ٹائی وغیرہ لے جاتے ہیں اور چند دن استعمال کر کے اس پیشکش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن وال مارٹ میں اسے بھی واپس لے لیا جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اندازے کے مطابق اس قسم کے لوگ معاشرے میں 3 یا 4 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر ان سے پوچھ گچھ کریں گے تو ہمارے 96 فیصد گاہک متاثر ہوں گے۔ لہذا ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار ہیں۔ دیکھیے! ہم جس چیز کو مشکل سمجھ رہے ہیں، وہ مغرب میں ”کاروباری راز“ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے بازاروں میں ایسا کیوں نہیں۔ غالباً اس کی وجہ دینی معلومات کی کمی یا دنیاوی فائدہ کے لیے سنجیدہ ریسرچ سے گریز ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہمارے ہاں بدعنوانی زیادہ ہونے کی وجہ سے وال مارٹ کی طرح آفر نہیں دی جاسکتی لیکن ضروری تحفظات کے ساتھ اس پر عمل تو ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اس ”کاروباری راز“ پر سنت نبوی ﷺ سمجھ کر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو یقیناً ثواب کے ساتھ ساتھ کاروبار کو بھی بڑی تیزی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں سوچئے گا ضرور!

§§§

